تھی جی..... پر ادھر مڈل کلاس کی عورت سے کچھ نہیں ہوتا۔ ٹا کیوں کی گڈی ہوتی ہے وہ تو..... میں نے ساری عمر اتنی مار شریف عورتوں سے نہیں کھائی سر جی جتنی امیر رنڈیوں سے کھائی ہے جو بھی اچھا گاہک کبھی ملا۔ بالآخر انہوں نے چھین لیا۔ جو کام کا گاہک لگا یہ اڑا کر لے گئیں۔

پتہ نہیں کیوں اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور وہ چپ ہو گئی۔

امتل بہت زیادہ جی چکی تھی۔ ان گنت لوگوں سے ملتی تھی۔ اس کے تمام خوب صورت کنارے، منیارے، رنگ روغن، منقش پھول بوٹے ختم ہو چکے تھے۔ لیکن اس قدر استعمال شدہ ہونے پر بھی اس میں ایک حزن اور خوبصورتی ایسی بھی پیدا ہو گئی تھی جو پرانے کھنڈروں میں ہوتی ہے۔ ایک طرح سے وہ بجھا ہوا سگریٹ تھی۔ بے دھیانی، بے منزل کی انتہا..... لیکن کبھی کبھی اس سگریٹ میں آگ کے شعلے خود بخود نکلنے لگتے ..... ریڈیو سٹیشن پر وہ اور ہوتی..... گھر پر ایک اور امتل ملتی..... بازار میں اس کا رنگ بالکل انوکھا ہوتا.....

نوجوان کے جانے کے بعد چادریں اور غلاف آ گئے، امتل نے بستر اصفائی سے بچھایا اور مجھ سے نظریں چرائے ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگی۔ ریکارڈنگ کا ٹائم نکل گیا۔ شام کے سائے گہرے ہونے لگے لیکن نوجوان موٹر سائیکل لے کر نہ لوٹا۔ میں چلا تو جاتا۔ لیکن دوبارہ میں موٹر سائیکل لینے ادھر نہ آنا چاہتا تھا۔ جب ہم رات کا کھانا کھا چکے تو امتل نے لجاجت سے کہا۔ ''سر جی اب آپ چلے جائیں خدا قسم وہ تو چاہے کل تک نہ آئے الو کا پٹھا۔!'

مجھے دوبارہ ادھر آنے سے خوف آ رہا تھا۔ خیال تھا کہ اگر ایک دفعہ اور میں ادھر آیا تو پھر میں کبھی یہاں سے جا نہ سکوں گا۔ بازار جاگ اٹھا تھا اور موسیقی کی آواز اب ادھر بھی آنے لگی تھی۔

''آپ سو جائیں سر جی..... میں ادھر صوفے پر لیٹ رہوں گی صاف بستر ہے۔

”

میں چپ چاپ سگریٹ پیتا رہا۔

وہ لجاجت سے پلنگ کے پاس کھڑی تھی۔ اتنی عمر کی عورت کو میں نے اس قدر بے بس کبھی نہیں دیکھا۔

”آپ ٹیکسی پر چلے جائیں سر جی...... میں کل ریڈیو سٹیشن آپ کا موٹر سائیکل بھجوا دوں گی۔“

میں چپ رہا۔

”یہ رضائی صاف ہے...... اس میں کوئی نہیں سویا سر جی......“ اس نے منہ پرے کر لیا۔ شاید وہ رو رہی تھی۔

میں نے جوتیاں جرابیں اتاریں ٹائی کوٹ اتار کر صوفے پر رکھا اور چپ چاپ پلنگ پر دراز ہو گیا۔

”ادھر آؤ احتل۔“

”جی سر جی۔“

”میرا نام معلوم ہے ناں تمہیں؟“

”جی“

تو مجھے قیوم کہو ناں؟“

”اچھا سر جی۔“

”یہاں بیٹھو۔“

وہ پلنگ کی پائنتی بیٹھ گئی۔ اس کے کندھے آنکھیں اور ہاتھ بہت خوبصورت تھے۔ یکدم وہ میری ٹانگیں دبانے لگی۔

”یہ کیا کر رہی ہو احتل؟“

”کچھ نہیں جی...... جی چاہتا ہے...... بڑی دیر ہو گئی میں نے کبھی کسی کی

ٹانگیں نہیں دبائیں۔"

"ادھر آؤ میرے پاس۔"

وہ ڈرتے ڈرتے سرہانے کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔

"کبھی تم نے کسی سے محبت کی ہے..... لاحاصل محبت..... دیوانہ بنا دینے والی..... جیسے خالی کنویں میں گونج پھرتی ہے۔"

وہ چپ رہی..... میں کہنی کے بل ہو گیا۔ پھر میں نے اس کی جھولی میں ہاتھ ڈال کر پوچھا..... "لاحاصل محبت اور دیوانگی میں کچھ فرق تو نہیں ہوتا امتل..... تم تو تجربہ کار ہو بتاؤ..... تم نے کبھی عقل شعور سے نکل کر محبت کی ہے۔"

میرے ہاتھ پر ایک بڑا سا آنسو گرا..... پھر امتل نے لمبی سانس بھری۔ لیکن خاموش رہی۔

"بتاؤ امتل۔"

اس نے منہ پھیر کر کہا..... ہمیں کیا پتہ ان باتوں کا سر جی..... ہم لوگ کوئی زخم تھوڑے ہوتے ہیں۔ زخم تو اور جگہوں سے لگتے ہیں۔ ہم تو صرف پھاہا رکھتے ہیں زخموں پر..... ہمارا تو فسٹ ایڈ کا محکمہ ہے۔"

"پھر کسی کا زخم ٹھیک ہوا تمہارے ہاتھوں۔"

اب اس کی آنکھوں سے جھرنے کی طرح آنسو گرنے لگے..... "ناں سر جی..... یہ زخم ہمیشہ اسی سے ٹھیک ہوتے ہیں جو انہیں عنایت کرتا ہے..... کبھی کبھی تو یہ اس کے بس کی بات نہیں رہتی۔"

میں نے اٹھ کر اس کے دونوں کندھے پکڑ لیے..... بتاؤ امتل جب آدمی کسی کو زخم عطا نہیں کر سکتا۔ خود کسی کا زخم بھر نہیں سکتا تو پھر وہ جیتا کیوں ہے؟ جیئے کیوں چلا جاتا ہے؟"

پتہ نہیں کیوں اس نے مجھے سینے سے لگا لیا اور روتے ہوئے بولی..... آپ کیوں

روتے ہیں روئیں آپ کے دشمن۔"

"آدھی رات گئے جب میرا موٹر سائیکل نیچے آیا تو میری آنکھ کھلی۔ باہر کے لیمپ پوسٹ کی روشنی تکیے پر اس جگہ پڑ رہی تھی۔ جہاں امتل سوئی ہوئی تھی۔ اس وقت اس کی عکر اس کے چہرے پر لکھی تھی۔ آنکھوں کے نیچے گہرے حلقے اور ہونٹ لکیر دار تھے۔ وہ منہ کھولے ہلکے ہلکے خراٹے لے رہی تھی۔ پہلی بار عافیت سے دو چار ہوا۔ اپنے ہم جنس کی رفاقت ملی۔ گدھ برادری کا کوئی فرد اس قدر قریب پا کر میں نے اسے آہستہ سے اٹھایا۔

"امتل!"

وہ ہڑبڑا کر اٹھی۔

جی سر جی۔"

"مجھ سے شادی کرو گی۔ ہم دونوں..... ہم دونوں ہمیشہ اکٹھے رہیں گے ہمیشہ ہمیشہ۔"

وہ عجیب طور پر ہنسی اور پھر مجھے تکیے پر دھکیل کر بولی....."اچھا صبح سہی اس وقت تو مولوی نہیں ملے گا۔"

پہلی بار مجھے دیر تک ہنسی آتی رہی۔ اپنے آپ پر.....امتل پر اور ساری دنیا پر۔

.....

یوں تو ہر دفتر میں یونہی آنے والوں کی کمی نہیں ہوتی لیکن ریڈیو ٹیلیویژن اور فلمی دنیا میں ایسے لوگوں کا تانتا بندھا رہتا ہے کچھ ایکٹر کچھ ادیب کچھ موسیقار پروگراموں کی تلاش میں آتے ہیں کچھ نفری یہاں محض ادیبوں گلوکاروں اور ایکٹروں سے ملتے آتی ہے کچھ ایسے خوش فہم خالی الوقت لوگ یہاں آتے ہیں جو سمجھتے ہیں ان شعبوں میں نام بنانا اور دولت کمانا بہت آسان ہے یہ لوگ ان مکھوں کی طرح ہوتے ہیں جن کا شہد کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہوتا لیکن وہ مکھیوں کی دیکھا

دیکھی پھولوں کا طواف کرنے میں مگن رہتے ہیں

میں کئی دن تک امتل کا اسی بھیڑ میں انتظار کرتا رہا لیکن وہ ریڈیو سٹیشن نہ آئی

اس روز میں دفتر جانے کے لیے تیار ہو رہا تھا کہ اچانک میرے سینے کے نیچے معدے میں جلن شروع ہو گئی میں کرسی پر بیٹھ گیا کچھ دنوں کے آرام کے بعد اب میرے السر میں پھر تکلیف ہونے لگی تھی تکدم اتنا شدید درد اٹھتا اور جلن ایسی ہوتی کہ سانس رکنے لگتا کبھی کبھی تو اس شدت تکلیف سے میرا سارا بدن پتے کی طرح کانپنے لگتا اور میں سوچتا کہ کسی ہسپتال میں داخل ہو کر باقاعدگی سے اپنا علاج کراؤں۔

اس وقت دروازے پر دستک ہوئی اور بھائی مختار اندر آئے راجپوتی مونچھوں والے..... سیکرٹریٹ میں کام کرنے والے میرے بھائی نے کھانس کر میری جانب دیکھا اور پھر نظریں جھکا لیں۔

''بیمار ہو.....'' آفیسر آن سپیشل ڈیوٹی نے سوال کیا۔

''جی نہیں.....'' میں یکدم چوکنا ہو گیا۔

وہ تھوڑی دیر تک اپنے گھٹنے دیکھتے رہے

''نارمل صحت مند آدمی کو..... ایک وقت پر ساتھی کی ضرورت ہوتی ہے..... ورنہ وہ صحت مند نہیں رہ سکتا!''

''جی!''

''اچھا ہے کہ تم اب باقاعدگی سے دفتر جانے لگے ہو..... اور مجھے اس بات کی خوشی ہے کہ تم پہلے سے بہتر ہو رہے ہو..... نئی موٹر سائیکل کی بھی مبارک باد ہو۔''

''جی!''

''کالج کے زمانے میں ہر نوجوان کو عشق ہو جاتا ہے..... یہ واقعہ قریباً سب کو پیش آتا ہے..... لیکن اس کو روگ بنانا درست نہیں۔''

میں حیران رہ گیا مجھے معلوم نہیں تھا کہ میرے سوائے کوئی میرے حالات سے اس قدر اچھی طرح آشنا ہوسکتا ہے اس وقت میرے ٹانگیں برادے کی بنی ہوئی تھیں اور میرا بوجھان کے لیے بہت زیادہ تھا میں اور بھائی مختار مکمل طور پر ایک دوسرے کے لیے اجنبی تھے ایک نا آشنا کے منہ سے اتنی قریبی باتیں سن کر میں بھونچکا رہ گیا۔

''ہر آدمی اوسطاً زندگی بھر میں پانچ یا چھ فل سائز عشق کرتا ہے اور ہر عشق سے جانبر ہونے کے لیے اسے اوسطاً چار سے چھ ماہ تک لگتے ہیں..... تم نے بہت دیر لگا دی۔!''

میں چپ رہا۔

''تمہاری بھابھی کا بھی یہی خیال ہے کہ شادی کی یہی عمر ہے اس کے بعد شادی بالکل بیکار ہے کیونکہ عادتیں راسخ ہو جاتی ہیں..... پھر آدمی کسی اور کے لیے زندگی میں جگہ نہیں بنا سکتا۔''

''میں سوچ کر جواب دوں گا۔''

''تمہاری نظر میں کوئی ہو تو ہمیں بتا دو۔''

میری نظر میں میری ہم مشرب ہم جنس ہم مسلک امتل گھوم گئی۔

''عاندہ نے اپنی چھوٹی بہن کے لیے کہلوایا ہے بلکہ اس نے تو بہت اصرار کیا ہے اگر تم چاہو تو۔''

''جی میں سوچ کر جواب دوں گا''

وہ چپ چاپ واپس چلے گئے جیسے چھٹی کی درخواست منظور کرالی ہو۔

یکدم میرے معدے میں دل جیسی ڈھڑکن پیدا ہوگئی میں لوہے کی سلاخوں والی کھڑکی کے سامنے جا کھڑا ہوا میں کھنگار کر تھوک دور پھینکا۔ آگے بند کی طرف سے متعفن بو کا ایک بھبھکا میرے طرف لپکا۔

میری نظروں میں عابدہ..... سیمی..... امتل پنکھے کے پروں کی طرح گھومنے

لگیں۔تیز گھومتیں تو ان کا ہیولا ایک ہو جاتا رفتار کم ہوتی تو علیحدہ علیحدہ نظر آنے لگتیں۔

عابدہ نے اپنی چھوٹی بہن کا رشتہ کیوں بھیجا تھا؟

کیا وہ بہن کے توسط سے مجھے زیر منقار رکھنا چاہتی تھی۔

کیا اپنی بہن سے مجھے بیاہ کر وہ مجھے انگوٹھا دکھانے کے منصوبے باندھ رہی تھی؟

جس وقت میں ریڈیو سٹیشن کے باہر پارک کی ہوئی کاروں کے ساتھ اپنی موٹر سائیکل رکھ کر سیڑھیاں چڑھ رہا تھا اعتلبر آمدے میں آتی ہوئی دکھائی دی اس وقت کچھ السر کی درد اور کچھ ذہنی نا آسودگی کی وجہ میں باتیں کرنے کے موڈ میں نہیں تھا۔ابھی کچھ عرصہ پہلے وہ اور میں کتاب کے صفحوں کی طرح بہت قریب رہ چکے تھے لیکن اعتل ہر دن از سر نو شروع کرنے کی عادی تھی۔اس کے چہرے پر پرانی ملاقاتوں کا شائبہ تک نہ تھا اس نے ایک بار پھر مجھ سے قطعی اجنبی پن سے بات کی ..... ''السلام علیکم سر جی!''

''وعلیکم السلام''

''سر جی اپنے دوست قاضی سے میری سفارش کر دیں ..... سنا ہے رات ان کے گھر کاکا ہوا ہے آج موڈ بھی اچھا ہے ان کا ..... چائے بھی پلائی ہے انہوں نے اپنے چپراسیوں کو۔''

میں ذہنی طور پر اپنے السر سے لڑ رہا تھا۔

''آج نہیں اعتل۔''

وہ میرے ساتھ ساتھ چلنے لگی۔

''میں آپ کے لیے کلیجی لائی تھی پکا کر ..... آپ کے دفتر میں رکھا ہے ٹفن کیریئر میں نے .....''

''میں تو آج ایک لقمہ نہیں کھا سکتا اعتل ..... آج میرے السر میں تکلیف ہے

ایک نوالہ بھی کھالیا تو سارا دن معدے میں جلن رہے گی..... کھٹے ڈکار آتے رہیں گے۔"

جس وقت ہم مڑ کر پروڈیوسروں کے دفاتر کی طرف جانے لگے پروڈیوسر غنی کے کمرے سے ستارہ نکلی یہ پتلے ہونٹوں والی آرٹسٹ نیل کلاسیکی موسیقی کے پروگرام کرتی تھی۔ اسے آئے ابھی تھوڑا عرصہ ہوا تھا لیکن ریڈیو سٹیشن پر اس تفنگ انداز کے گن گانے میں مشغول تھے کچھ کن رسیا حضرات کا خیال تھا کہ اس کا مخرج بہت درست ہے الفاظ میں نکھار پیدا ہو جاتا ہے رچاؤ اور لگاؤ سے وہ گاتی تو تھی لیکن سب سے بڑی بات آرٹسٹ کا مقدر ہوتا ہے۔ یہ جس وقت یا ور ہو دنوں میں سنان مقبولیت کے باپ پر آفتاب کی طرح چمکنے لگتا ہے۔

پرانی گانے والیاں اس سے جس قدر جلن، حسد اور بیر کا اظہار کریں یہی اس کی شہرت کی سب سے بڑی دلیل ہوتی ہے۔

ستارہ کو آتے دیکھ کر امتل بھاگی اور اس سے بغل گیر ہو گئی۔

"سبحان اللہ سبحان اللہ کیا بات ہے تیری چن جی..... کل شام میں نے تیرا پروگرام ٹیلی ویژن پر دیکھا واہ نی سادھائی پا..... پاپا کیا جگہ بنائی ہے تو نے پا کی..... کیا سر سجایا ہے کوئی کہہ سکتا تھا کہ فوک میوزک کا پروگرام ہے ماشاء اللہ ماشاء اللہ استاد محمود خان کی تعلیم کو چار چاند لگا دیے..... سارا ماں کا رنگ ہو بہو وہی لے پکڑنے کا انداز جیتی رہ چن جی۔"

ستارہ تعریف کے باوجود خفیف کھڑی تھی۔

ان امتل نے ستارہ کی ٹھوڑی پکڑ کر چہرہ میری طرف کیا"..... دیکھیں دیکھیں سر جی..... اللہ کی کرامت دیکھیں..... ہے کسی کی ریڈیو سٹیشن پر ہے یہ موہنی مورت کسی کا رنگ اچھا ہوتا ہے کسی کے نقش اچھے ہوتے ہیں اس کو تو رب نے سب کچھ دے رکھا ہے چھپڑ پھاڑ کر دیا ہے اسے سب کچھ۔"

حالانکہ نو دریافت شہرت نے ستارہ کو بہت تیز کر دیا تھا وہ میزیشنو سے لیکر پروڈیوسروں تک سب کے ناک میں دم کرنے کی اہل تھی لیکن اس وقت وہ بھی گڑبڑا کر کھسیانی ہنسی ہنسنے لگی۔

''چھوڑیئے باجی امتل۔''

''ناں چن جی میں کوئی تیرے گن گا رہی ہو میں تو اللہ سچے کی تعریف کر رہی ہو کیا کیا مورتیں بناتا ہے..... اپنا روپ کیسے کیسے دکھاتا ہے..... سبحان اللہ''

''چلو میں قاضی کی طرف جا رہا ہوں.....'' میں نے ان دونوں سے پیچھا چھڑانے کی غرض سے کہا۔

''چلتے ہیں سر جی چلتے ہیں..... یہ تل دیکھیں اس کی ناک پر..... اس کی ماں کے ہونٹ پر تل تھا سنا ہے سر جی عورت کے ہونٹ پر تل ہوں مرد اس سے بہت محبت کرتے ہیں..... ہیں جی.....؟''

ستارہ مری ہوئی بھینس کے گٹے کی طرح منہ تھتھائے کھڑی تھی میں بھی رسہ تڑوا کر بھاگنے کے موڈ میں تھا لیکن اس نے ہم دونوں کو پکڑ رکھا تھا۔ اپنے مظبوط ہاتھوں سے

''اس کی ماں کو بھی پہننے کھانے کا بہت شوق تھا سر جی..... پاکستان سے پہلے کا ذکر ہے میری عمر بہت کم تھی اس وقت لیکن میں نے اس کی ماں کو دیکھا ہے کناٹ پیلس میں..... میرٹ سوٹ سر جی..... آنکھوں پر سیاہ چشمہ لگا ہوا پیروں میں سفید سویڈ کے کورٹ شوز..... وکٹوریہ سے اتری تو سارا کناٹ پیلس ہل گیا..... مہاراجہ بڑودا ہاتھی دانت کا صوفہ سیٹ خرید رہے تھے اس وقت..... دو لاکھ روپے تک مول تول ہوا تھا اس وقت..... صوفہ سیٹ تو کیا خریدتے..... دو لاکھ اس کی ماں کو دیئے اور ساتھ بٹھا کر لے گئے اپنی رولز رائس میں..... چن جی تیری ماں کی کیا بات تھی بٹیا..... آفت تھی آفت.....''

ہم دونوں برآمدے میں ساتھ ساتھ چلنے لگے۔

''یہ تم مجھے اس کا چہرہ کیوں دکھا رہی تھیں امتل؟''

''تو اور کیا اپنا چہرہ دکھاؤں سر جی؟..... ہیں نا کملے بادشاہو..... جوانی اتر جائے تو دوسروں کے ہی چہرے دکھانے پڑتے ہیں۔''

''تم اس کی ماں کا ذکر کیوں لے آئیں درمیان میں..... اسے کوفت ہو رہی تھی ..... اسے کوفت ہو رہی تھی۔''

''جھوٹی ہے سب کو بتاتی پھرتی ہے کہ یہ کسی ڈاکٹر کی بیٹھ ہے بڈھی ہو کر اس کی ماں نے ڈاکٹر کر لیا تو کیا یہ ڈاکٹر کی اولاد ہو گئی ہم سے کسی کا پیچھا چھپا ہے دو گلیاں ہم سے آگے گچھے والیوں کی گلی میں انکا چوبارہ تھا اب چاہے یہ گلبرگ رہے کالج جائے میم بن جائے ہم کو تو یاد ہے سب کچھ۔''

چاہے یاد ہو لیکن کسی کو یاد دلانے سے فائدہ؟ کوئی اپنا ماضی بھولنا چاہے تو تم اسے بھولنے نہیں دو گی..... ہے نا؟

ہم دونوں میرے دفتر کے اندر پہنچ گئے۔ امتل نے برقعہ کا اوپر والا حصہ اتار کر کرسی کی پشت پر لٹکا دیا اور لمبی سانس بھر کر بولی۔

''بڑی مشکل ہے سر جی..... ہمارا دل بھی ہے ہم بھی انسان ہیں ہم سے شریف لوگ نفرت کرتے ہیں تو ہم برداشت کر لیتے ہیں لیکن ہم میں سے جب یہ لوگ اٹھ کر جاتی ہیں اور پھر ہم کو ذلیل سمجھتی ہیں تو ہم سے برداشت نہیں ہوتا سفیدی کروا کر کورے سے کبوتر بن جائیں اور پھر کوؤں سے ہی نفرت کریں سبحان اللہ..... ہم تو پھر اتنا ہی کر سکتے ہیں کہ انہیں یاد دلائیں کہ وہ بھی کبھی کوئے تھے۔''

''اس بے چاری نے تمہیں کیا کہا تھے؟۔''

امتل نے سگریٹ سلگا کر کہا..... ''بیچاری نہیں ہے موقع شناس ہے یہ بھہ اس کی ماں بھی..... پچھلیوں کو بھولتے دیر نہیں لگی انہیں..... اس کی ماں نے کسی ڈاکٹر سے

نکاح پڑھوالیا ہے اپنی کشتی تو بچالی ہے لیکن گھر والے تو اجڑ گئے ان کے بوڑھے نانی اور اس کے ماموں تو خوار ہو گئے سارے..... ساری عمر جنبھائیوں نے اس کی ماں کی کمائی پر راج کیا نشہ پانی کیا اب وہ مزدوری ڈھونڈنے نکلتے ہیں..... لعنت ہے ایسی نیکی پر..... ہم سے یہ نہیں ہو سکا۔ اس لیے تو اپنی جنت تلاش کی پچھلوں کے دوزخ میں اس کے ستھ بیٹھے ہیں۔"

"اگر تمہارے دل میں اتنا بغض ہے تو اس کی تعریف کیوں کر رہی تھیں؟"

"پتہ نہیں جی کیوں؟..... شاید مجھے منہ پر خوشامد کرنے کی عادت ہے یا شاید میں لوگوں سے ڈر جاتی ہوں؟"

بہت بعد میں مجھے پتہ چلا کہ امتل کے متعلق پیش گوئی ناممکن ..... تھی کیونکہ وہ بچوں کی طرح کسی Sustained emotion کے قابل نہ تھی اس کا لڑنا جھگڑنا پیار محبت نفرت سب موڈ کے تابع تھے کسی تھیوری مسلک۔ دباؤ کے تحت وہ کچھ نہ کر سکتی تھی۔ وہ سب کچھ بغیر سوچے سمجھے کرتی تھی جی چاہا مدد کر دی دل میں آیا گالی دے دی۔ کسی کو کھانا کھلا دیا۔ نیا پرس عطا کر دیا کڑھا ہوا دوپٹہ اس کے کندھوں پر ڈال کر اس کا بوسیدہ دوپٹہ اپنے پر لے لیا۔ کسی سے بیس روپے ادھار مانگ کر شکریہ بھی ادا نہ کیا۔ مدد کرنے تحفہ دینے کسی کو الو بنانے تعیف کرنے کے لیے اس کا کوئی فلسفہ نہ تھا وہ لہر تھی گالی آئی گالی دے دی مدد کو جی چاہا مدد کر دی غیبت پر طبعیت مائل ہوئی تو سارے بخیے ادھیڑ دیئے خوش اور ہمدرد غالب آجاتی تو پاؤں پڑ جاتی معافی مانگ لیتی۔ وہ وقت ضابطے اور طریقے کی پابند نہیں تھی اس کا سارا نظام Impulse پر چلتا تھا اسی لیے اس کی رائے پر چلنا مشکل تھا کیونکہ اس کی دوستی دشمنی نظریے سب منٹ کی سوئی کے تابع تھے۔ کچھ بھی گھنٹوں دنوں سالوں پر محیط نہ تھا۔

"سر جی میں آپ کے لیے کلیجی پکا کر لائی ہوں۔"

"بھائی میں السر کا مریض ہو مدت ہوئی ایسی خوراک چھوڑ دی میں نے۔"

اسے مجھ میں السر میں چھوڑی ہوئی خوراک میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔

''فکر نہ کیا کریں پہلے السر ہوتے ہیں پھر پاگل ہو جاتا ہے آدمی..... چلیں قاضی کے پاس میرے سفارش کر دیں۔''

جس وقت میں اٹھ کھڑا ہو گیا وہ کسی واقف کار کا نمبر فون پر ملا بیٹھی..... امتل کو فون کرنے کا بہت چسکا تھا وہ ہمیشہ میز کی نکڑ پر چڑھ کر بیٹھ جاتی اور اپنی واقف کاروں کو انارکلی کے دوکان داروں کو ریلوے سٹیشن انکوائری پر پی آئی اے کارگو والوں کو فون کھڑکاتی رہتی فون پر اسے لوگوں کو مرعوب کر کے بڑا مزہ آتا تھا۔

''ہیلو..... ہیلو..... ہے لو..... کون جی..... میں امتل بول رہی ہو۔ ریڈیو سٹیشن سے..... جی آر ڈی صاحب کے دفتر سے.....'' اس نے مجھے آنکھ ماری۔ ''کہاں باجی اب تو وقت ہی نہیں اب تو..... میں ضرور آتی..... لیکن ٹیلی ویژن والے چھوڑتے ہی نہیں..... میرا پروگرام ہے پرسوں شام سوا سات بجے ضرور دیکھیں۔ اچھا جی گڈ بائی۔''

''جب تمہیں ٹیلی ویژن کے پروگرام مل رہے ہیں تو ریڈیو سٹیشن والوں کے منتوں سے حاصل؟''

میں واپس کرسی پر بیٹھ گیا۔

''کس کافر کو ٹیلی ویژن سے پروگرام ملتا ہے۔''

''یہ تم اپنی ملنے والی کو کیا بتا رہی تھیں ابھی؟''

''اس چندری کا ٹیلی ویژن خراب ہے اسی لیے تو میں نے ذرا عزت بنالی اپنی..... کیوں آپ کو کوئی اعتراض ہے۔''

''یہ سارا وقت تمہیں اپنی عزت بنانے کی فکر کیوں لگی رہتی ہے؟''

''تو ہم لوگ اور کیا بنائیں سر جی..... جن کے پاس عزت نہیں ہوتی وہ ساری عمر اسے ہی بنانے میں گنوا دیتے ہیں سچ پوچھیں سر جی تو ستارہ کی ماں ے بڑی عقلمندی

کی چلو دس بارہ سال مجھ جیسے کمینے اس کا پیچھا کریں گے پھر بیٹی تو سکھ کی زندگی گزارے گی..... نانی تو ویسے بھی مرکھپ جائے گی دو چار سالوں میں..... اچھا ہی کیا بازار چھوڑ دیا۔"

امتل کی آواز میں دکھ تھا جس درخت پر سارا دن دھوپ پڑتی ہے اس کے چکنے پتے چمکتے ہیں بچے اس میں جھولا ڈالیں عورتیں اس کے سائے تلے بیٹھیں شام پڑتے ہی ایسے درخت کے گرد اس کے اندھیروں میں بڑی اداسی ہو جاتی ہے ایسے ہی امتل تھی ہر وقت ہنسی مذاق۔ چکا چوندا دھرا دھر کی بے تکی باتیں جب وہ تھوڑی دیر کے لیے چپ ہو جاتی تو اس کے اردگرد بڑی مایوسی پھیل جاتی۔

"کیسی تھی ستارہ کی ماں..... شکلاً عقلاً؟....." میں نے موضوع کو ہلکا کرنے کی خاطر کہا۔

"اچھی تھی..... اتنی خوبصورت بھی نہیں جتنی مردمار تھی..... پیسہ زیادہ نہیں کمایا ہاں آدمی بہت ضائع کیا ٹوانوں کا ایک نوجوان زہر کھا گیا اس کے پیچھے..... چھ فٹ کا جوان تھا۔ اگلے دانتوں میں ایک پر سونے کا پترا چڑھا تھا جہلمی طرز کے پٹے تھے مسکرا پڑتا تو دل جلترنگ کی طرح بجنے لگتا۔ اس کے جنازے پر گئی تھی میں..... سر جی یہ کیا بات ہے کبھی کبھی مرد اپنی جان دے دیتے ہیں عزت کی دال روٹی نہیں دیتے۔؟"

"مردوں کے دینے کا بھی عجیب حساب ہے..... عجیب بادشاہ لوگ ہوتے ہیں مرد بھی۔"

"عزت کی دال روٹی میں بڑی بک بک ہوتی ہے امتل..... ساری عمر کا لیکھا جان کا حساب تو ایک بار نپٹایا جا سکتا ہے..... ایک جھٹکا اور دوسرے پار....."

"ہاں جی....." اس نے لمبا سانس لے کر کہا۔

اس روز امتل بار بار بجھ رہی تھی جیسے کھلے میدان میں آگ جلنے کی کوشش پر بوندا

باندی ہو رہی ہو۔

''ابھی تم کہہ رہی تھیں امتل کی ستارہ کی ماں کو تم نے کناٹ پیلس میں دیکھا تھا۔ یہ کس سن کی بات ہے بھلا؟''

میں نے اس کا موڈ بدلنے کی غرض سے کہا۔

''سن چھیالیس کی جی..... مجھے اچھی طرح یاد ہے آگ لگنے کی وارداتیں عام تھیں ان دنوں۔''

''اس وقت تمہاری عمر چودہ برس کی تو ہوگی.....'' میں نے ہنس کر کہا۔

''کھلی جی..... کھلی چودہ کی.....''

''اس حساب سے تم بیالیس کی ہوئیں..... دیکھ لو پارٹیشن کو کتنے سال ہو چکے ہیں''

میرا خیال تھا کہ وہ جھگڑا کرے گی اور اس کا موڈ ہلکا ہو جائے گا۔ لیکن وہ خفیف ہو کر مسکرانے لگی اور بولی..... ''ایسے گھپلے تو ریڈیو سٹیشن پر عام ہوتے ہیں آرمی تھیٹر کے واقعات سناتا ہے خاموش فلموں کے شاٹ بیان کرتا ہے اور عمر اپنی تیس سال بتاتا ہے باتیں آل انڈیا ریڈیو کے زمانے کی کرتا ہے اور عمر پوچھو تو چالیس سے آگے نہیں جاتی سچی بات بتاؤں سر جی..... عمر تو سب کے منہ پر لکھی ہوتی ہے بالوں میں رنگی ہوتی ہے منوانے والے زیادتی کرتے ہیں مجھ سے تو جب کوئی عمر پوچھتا ہے مجھے لگتا ہے جیسے میں تھانے میں آئی بیٹھی ہوں..... بھلا میری عمر اگر بیالیس کی ہے تو اس میں میرا کیا قصور.....؟ ہوگئی سو ہوگئی۔''

بوندا باندی میں آگ پھر بجھ گئی۔

''فون کرنا ہو تو کر لو پھر قاضی کے پاس چلیں۔''

فون کا نام سن کر اس نے پی آئی اے کارگو سروس کا فون نمبر ملایا اور بولی..... ''ہیلو..... جی پی آئی اے کارگو.....؟ میرا ایکپارسل آنا تھا کراچی سے.....؟ باجی؟

..... بڑا ضروری ہے جی ..... تبھی تو پوچھ رہی ہوں ..... جی میرا فون نمبر نوٹ کر لیں اور فوراً اطلاع دیں۔"

اس نے میرا فون نمبر دوسری طرف دے دیا۔

"یہ کیا کر رہی ہو امتل ؟ ..... یہ سرکاری فون ہے۔"

"جب کار گو والے پوچھیں تو رانگ نمبر کہہ دیں آپ اتنی سی تو بات ہے۔"

"چلو اب۔"

"سر جی آج آپ میرے ساتھ چلیں۔"

"چلو تیار ہوں میں۔"

"قاضی کے پاس نہیں میرے کرائے کے گھر۔ انہوں نے مجھے چھ مہینے کا کرایہ نہیں دیا۔ کوئی مرد وہاں جاتا نہیں۔ وہ عورت سے کیوں ڈرنے لگے۔"

"تمہارے پانچ بھائی ہیں وہ نہیں جاتے کرایہ لینے۔"

"ناں جی۔ وہ کیوں خجل خوار ہونے لگے۔ وہ فیروزہ کی کمائی پر عیش کر رہے ہیں ان کو کیا پروا۔؟"

میں اس کے ساتھ دوبارہ جانا نہیں چاہتا تھا۔

"آپ کو کچھ کرنا کرانا نہیں ہے سر جی۔ صرف میرے ساتھ چل پڑیں رعب پڑ جائے گا کرایہ داروں پر۔ خدا قسم میرے پاس تو رکشا کو دینے کے لیے بھی پیسے نہیں ہوتے اور بی بی تو ایکپائی بھی نہیں دیتی ہم جیسے بیکاروں کو۔"

پتہ نہیں اس میں کیا تھا؟ اس جلتی بجھتی آگ کے ساتھ میں نوگزے کی قبر کے پچھواڑے اس کے کرایہ داروں کے پاس چلا گیا۔

امتل کو اپنا سمجھنے کی صرف یہ وجہ تھی کہ شہر میں وہ اور میں بالکل تنہا تھے میں ذہنی اور جسمانی طور پر بیمار تھا وہ میری ماں کی عمر کی تھی پھر اس کا اور میرا مسلک گدھ جاتی کا

تھا ہم دونوں مردار آرزوؤں پر پلے تھے ہم دونوں بجھے ہوئے کارتوس تھے اور اتفاقاً ایسے اکھٹے ہوئے تھے جیسے کورپس کرسٹی جیسی دور دراز جگہ میں اپنا ہم وطن ہم مشرب ہم زبان مل جائے ہمیں اپس میں بات کرنے کے لیے زیادہ اوڑھنے بچھونے، لکانے چھپانے، رکھ رکھاؤ کی ضرورت نہ تھی۔ وہ عمر میں مجھ سے اٹھارہ بیس سال سال بڑی تھی لیکن وقت بیوقت اس کے اندر ایک کھلنڈری سے بچی بھی جاگ اٹھتی وہ جو کچھ بھی کرتی تھی کہتی تھی میں اس کا کبھی برا نہ مناتا اور نہ ہی اپنی باتوں کی اسے کچھ سمجھ تھی اسے معلوم نہ تھا کہ روٹھا کیسے جاتا ہے اور کتنی دیر روٹھے رہنے میں عزت بنتی ہے اس کی باتوں میں لغت سچائی اور کمینہ پن تھا کبھی کبھی جیسے کھلی کھڑکی سے بارش کا ریلا اندر آجائے وہ بڑی بے بس قسم کی گفتگو بھی کرنے لگتی۔ سچ وہ صرف اس لیے بولتی تھی کہ اب جھوٹ اور سچ اس کے نزدیک بالکل برابر ہو چکے تھے وہ اپنے جسم سے بے پروا عزت و شہرت سے بے نیاز روپے پیسے سے غنی تھی۔

امتل کا ایک چھوٹا سا گھر نوگزے کی قبر کے پچھواڑے بھی تھا یہ گھر بوسیدہ اور پرانا تھا اوپر والی منزل میں کرائے دار رہتے تھے نچلی منزل کے دو کمروں میں غفور درزی اپنی فیملی کے ساتھ مقیم تھا ہم دونوں جب یہاں پہنچے تو غفور درزی تیزی سے مشین چلا رہا تھا۔ امتل کو دیکھتے ہی وہ اٹھ کھڑا ہو گیا۔ غفور درزی کے چہرے پر اب صرف آنکھیں باقی تھیں باقی سارا چہرہ وقت، صبر اور غریبی کی نذر ہو چکا تھا۔

''آئیں..... آئیں السلام علیکم صاحب جی''

''کیا آئیں ماسٹر جی..... پھر آپ نے کرائے لے کر نہیں دیا۔''

ماسٹر غفور یوں خفیف ہو گیا جیسے وہ قصوروار ہو..... ''بی بی جی..... ان کے مرگ ہو گئی ہے میں پوچھا تھا دوبار۔''

''اور جب میری مرگ ہو گئی تب..... تب کفن دفن کیسے ہو گا..... کون خرچے کرے گا..... کمیٹی والے ایل ایم سی کے ٹرک میں ڈال کر لے جائیں گے۔''

ماسٹر غفور کا نچڑا ہوا چہرہ اور بھی نچڑ گیا..... ''خدا نہ کرے.....''

''خدا نہ کرے..... کیا نہ کرے خدا؟..... آپ کو کیا پتہ میرا گزارہ کیسے ہوتا ہے ..... میں بھوکی مر جاؤں آپ کو تو کرایہ داروں سے ہمدردی ہے۔''

ماسٹر غفور نے مشین کی ڈبیا میں سے دو سو روپے نکالے اور امتل کو لجاجت سے پیش کرتے ہوئے بولا..... ''آپ یہ لے جائیں میں خود ان سے وصول کر لوں گا۔''

امتل نے پیسے لیے اور شکریہ کر کے دوکان سے نکل آئی..... ''ماسٹر جی ان کو کہہ دیں اگر اگلے مہینے کرایہ نہ دیا تو میں انہیں نکالنے پر مجبور ہو جاؤں گی۔''

''اچھا جی کہہ دوں گا۔''

''زور سے کہنا ماسٹر جی رعب سے من من من نہ کرنا.....'' روپے لے کر ہم واپس امتل کے دو منزلہ مکان میں چلے گئے۔

امتل کا سارا روزگار یہ کرائے والا مکان تھا کھانا اور رہائش مفت تھی اور اوپر کے خرچے کے لیے یہی دو سو روپے ماہوار اس کا کفیل تھا اس وقت مجھے امتل کی بجائے درزی غفور پر ترس آ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں ایسی بے چارگی اور شرم تھی جو آج تک میں نے کسی چہرے پر نہیں دیکھی۔

اس روز پھر بی بی نے پارٹی کے لیے پر تکلف چائے بھیجی۔ نئی چادریں اور غلاف آئے امتل نے بڑے وقار کے ساتھ پچاس روپے نوجوان بھائی کو پکڑا کر کہا..... ''بی بی کو دے دینا..... کہنا ریڈیو والے صاحب نے پان سگریٹ کے لیے بھیجے ہیں۔''

نوجوان کے جانے کے بعد میں نے حیران ہو کر اس کی طرف دیکھ کر کہا..... ''یہ کیا؟''

''آپ کی عزت بن جائے گی بی بی کی نظر میں آپ کا کیا جاتا ہے۔''

رہ رہ کر مجھے غفور درزی یاد آ رہا تھا اس کی مسکینی، حیا، کم آمیزی نے میرے دل پر عجیب اثر کیا تھا۔

''تم نے غفور درزی سے دوسو روپے کیوں لیے؟.....اب بے چارہ کیا کرے گا۔''

''اسے خوشی ہوئی ہوگی''

''خوشی؟''

''یہ میری بڑی بہن کا عاشق تھا سر جی..... پلومر کی دوکان نہیں اس کے پیچھے ایک تین منزلہ بلڈنگ ہوتی تھی..... اس کی جائیداد تھی..... وہ ساری بلڈنگ سارا کچھ بک بکا گیا..... دھیلا دھیلا ہمارے گھر کی نظر ہوا۔ یہ جو ہمارا گھر ہے اسی نے بنوا کر دیا تھا..... جب کچھ نہ رہا رو درزی بن گیا..... میرے سارے کپڑے مفت سیتا ہے ایسے ایسے نمونے بناتا ہے ابھی کل ہی فیروزہ کا غرارہ سی کر لایا تھا سارے پھڑک گئے۔''

''تمہاری باجی کو بھی محبت تھی درزی غفور سے۔''

''وہ بڑی مشغول رہتی تھی سر جی..... اسے اللہ نے جوانی میں اٹھا لیا سوچنے کا موقعہ ہی نہیں ملا..... اگر برف کی بنی ہوتی تو پگھل جاتی ساری کی ساری..... درزی غفورا سے ایسے دیکھتا تھا!

بڑی دیر تک وہ مجھے اپنی بہن کی طوفان آمیز زندگی کی باتیں بتاتی رہی درزی غفور کی داستان اس آندھی میں اڑنے والا ایک تنکا تھی۔ جب رات کے کھانے کا ٹرے سج کر آیا تو امتل نے سارے ڈونگے کھول کھول کر دیکھے سالن چکھے پھر نوجوان پر گرجی۔''

''گوشت کون لایا تھا آج۔''

''چاچا ابراہیم گیا تھا۔''

''اب چاچے کو کوئی قصائی سودا نہیں دیتا خود جایا کرو گوشت لینے آخر سارے خاندان نے کھانا ہوتا ہے۔''

آج امتل کی جیب میں پیسے تھے وہ شیرنی تھی۔ ویسے بھی میں نے اسے کھانے کے معاملے میں از حد محتاط پایا برا کھانا دیکھ کر فحش گالیاں بکنے لگتی قصائی، پکانے والا مرچ مسالا سب کی شامت آجاتی۔ دال سبزی سے اسے نفرت تھی اسے گوشت مرغی مچھلی کا شوق تھا کھا پی لیتی تو پھر ڈھیر ہو جاتی سونے کا بھی اس کا عجیب ڈھنگ تھا صوفے پر نیند آئی تو وہاں ڈھیر ہو گئی۔ کرسی پر اونگھ آئی تو ملکہ وکٹوریہ کا بت کرسی پر خراٹے لینے لگا۔ پلنگ پر سوئی تو ایسے جیسے دلدل میں بھینس دم چھوڑے پڑی ہو۔

''سوئیں گے سر جی؟''

''نہیں اب میں چلوں گا۔''

''اچھا جی.....'' کھانے کے بعد وہ بیٹھی نہ رہ سکتی تھی..... آرام سے پلنگ پر روانہ ہو گئی

''آپ کے کون سے بیوی بچے روتے ہیں سو جائیں یہیں۔''

''نہیں چلتا ہوں امتل۔''

''کیا سوچ رہے ہیں آپ''

میں غفور درزی کی گلی میں پھر رہا تھا۔

''ایک لڑکی یاد آرہی ہے..... کالج میں پڑھتی تھی میرے ساتھ''

''پرانے وقتوں کو یاد نہیں کرتے سر جی..... نئے دنوں میں گھن لگ جاتا ہے۔''

میں چپ ہو گیا، وہ ہنسنے لگی اس کی ہنسی میں کوئی چیز تھی جو بکھرنے کی طرف مائل تھی۔

''سر جی ہر انسان کے انجن چلانے کے لیے خاص کا پٹرول چاہیے جب تک یہ پیٹرول گاڑی میں ہو گا گاڑی چلتی ہے انسان کا سلف چاہے چلے نہ چلے دھکے دے کر گاڑی چل پڑتی ہے کنڈم نہیں ہوتی۔''

میں نے حیرانی سے اس کی طرف دیکھا۔

وہ تکیے پر سر ٹکائے اس پر اپنا سر جمائے نیم درازی تھی ...... ''عورت کا ایندھن مامتا ہے صبر ہے آنسو ہے جب تک شہد کی رو سکتی ہے جیتی رہتی ہے۔''

''اور مرد؟''

''مرد کے اندر کام کا پیٹرول چلتا ہے کامنا ہو یا کام رہے تو اس کا سلف چاہے بیکار ہو جائے چلتا رہے گا...... عجیب بات ہے اب کبھی میں روتی نہیں ...... آنسو ہی نہیں آتے ...... کبھی کبھی خیال آتا ہے یہ میرے آخری دن نہ ہوں۔''

اس کی خشک آنکھوں میں خشک آنسو تھے۔

''''درزی غفور جیسا کوئی ہنر آتا تو رزق حلال ہی کھاتی اب تو سارا جسم بوجھ بنا رہتا ہے دل پر ...... کہاں سے اتنا ایندھن لاؤں اس کا دوزخ بھرنے کو ...... کبھی ماں کو بیوقوف بناتی ہوں کبھی فیروزہ کو لیکن کب تک۔ یہ حرام رزق کب تک؟

''میرے پاس اس وقت ڈیڑھ سو روپیہ ہے امتل ......'' میں نے لجاجت سے اس کے تکیے پر پیسے رکھ کر کہا۔

''ناں سر جی ...... ابھی نہیں ابھی ہیں میرے پاس یہ دیکھئے۔''

''رکھ لو امتل کام آئیں گے۔''

وہ ہنس دی ...... ''ابھی تھوڑی دیر کے لیے میں نیک بننے لگی تھی شکریہ سر جی ...... میرے لہو میں تو ایک بوند بھی حلال کی نہیں ...... مجھے ڈر کیسا۔''

پیسے لے کر اس نے اپنی باڈس میں ڈال لیے اور میرے طرف کمر کر لی جس وقت میں اس کے کمرے سے نکلا مجھے شبہ ہوا کہ وہ رو رہی ہے۔

امتل سے میرا رابطہ کچھ کچھ عجیب نوعیت کا تھا آہستہ آہستہ اکے پرو تلے گھستا چلا جا رہا تھا وہ ایسی ماں تھی جو سانپنی کی طرح جھولی میں لاتعداد بچے کھا چکی ہو تجربات کا دکھ سکھ دل پر اسی وقت آری کٹاری بنتا ہے جب یہ کبھی کبھی وارد ہوں۔ وہ اتنے